© rasailojaraid.com

مولانا محمد حنیف ندوی

اعجازِ قرآن اور اس کی حقیقت

(۳)

استدلال کے یہ دونوں انداز جیسا کہ فلسفۂ مذہب کے طالب علم جانتے ہیں۔ مخدوش اور پُرخطر ہیں۔ ان میں جہاں اثبات کے پہلو نمایاں ہیں وہاں کم عقل لوگوں کے لیے ایسے مقام اور مرحلے بھی پائے جاتے ہیں جہاں پاؤں پھسلتا ہے۔ اور انسان ایسے نتائج اخذ کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ جو گمراہی پر مبنی ہیں۔

ان دونوں قسموں کے دلائل میں لغزش پا کا احتمال اس بنا پر ابھرتا ہے کہ ہم عالمِ فانی سے اس ذات تک رسائی حاصل کرنا چاہتے ہیں جو لافانی ہے اور انسانی عقل و شعور سے جو یکسر محدود اور ناقص ہے اس عقلی بحث تک پہنچنا چاہیے جو لامحدود اور کامل ہے۔

قرآن حکیم کی اس آیت میں سعی و جستجو کی ایک تیسری متبادل شکل پیش کی گئی ہے جو یہ ہے کہ تم اگر اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم و ادراک کی روشنی سے بہرہ مند ہونا چاہتے ہو تو بجائے کائنات اور ذہنِ انسانی کو فکر و استدلال کا مبنیٰ و محور گردانے کے براہِ راست ذاتِ خداوندی کو مطالعہ و تحقیق کا نقطۂ آغاز ٹھہراؤ۔ یعنی نہ صرف اس کو مانو اور تسلیم کرو یا اس کے حکموں کے آگے جھکو بلکہ اس سے فکر و تامل اور عمل اور اخلاص کا رشتہ استوار کرو پھر دیکھو وہ تمھارے استدلال اور بصیرت میں کس طرح جلوہ گر ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں "ھو یدرك الابصار" کا مطلب یہ ہے کہ تم تو اس کو کیا پاؤ گے۔ ہاں اگر تم اپنا سفرِ تحقیق خدا سے شروع کرو گے تو البتہ دیکھو گے کہ وہ بذاتِ خود تمھاری عقل و بصیرت تک کے دروازوں تک کس طرح پہنچتا، اور اس سلسلے میں کس حد تک تمھاری دستگیری کرتا ہے:

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا[۵]

---

[۵] العنکبوت: ۶۹

© rasailojaraid.com

اور جن لوگوں نے ہمارے لیے سعی و جد و جہد کی، ہم ان کو ضرور اپنے رستے دکھائیں گے۔

اعجاز قرآن کا تیسرا پہلو حسنِ تالیف

قرآن حکیم کے اعجاز کا تیسرا پہلو حسن تالیف ہے یعنی اس بحث کے بعد کہ اعراب و حروف کی تبدیلی یا الفاظ کے انتخاب و تصرف میں قرآن حکیم نے اعجاز کے کن کن پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔ یہ واضح کیا جائے کہ یہی الفاظ جب ترکیب پذیر ہوں اور آیات و عشرات کے سانچے میں ڈھل جاتیں تو ترتیب و تالیف کے لحاظ سے ان میں حسن و سحر کے کون کون گوشے نکھر کر ذوق و فکر کو متاثر کرتے ہیں۔ اس سوال کا جواب بھی دو طرح سے دیا جا سکتا ہے ایک یہ کہ فن بلاغت و بدیع کے ایک ایک قاعدہ کو سامنے رکھ کر قرآن حکیم سے اس بات کا ثبوت فراہم کیا جائے کہ اس نے کیونکر تمام اصناف سخن کو ملحوظ و مرعی رکھا ہے اور کس طرح حیرت انگیز اور غیر معمولی طریق سے ادب و ذوق کے خوارق کی تخلیق کی ہے۔

دوسرے یہ کہ فن اور اس کی اصطلاحی باریکیوں میں پڑے بغیر بدیع و بیان کی ایسی روشن مثالوں ہی پر اکتفا کیا جائے، جن سے وہ لوگ بھی استفادہ کر سکیں جن کو ادب و ذوق کے ان دقائق کے مطالعہ کا موقع نہیں ملا۔ ہم نے قارئین کی سہولت کے پیش نظر اس دوسرے نہج کو زیادہ موزوں خیال کیا ہے۔

اس سے پہلے کہ ہم قرآن کے اس معجزانہ پہلو کو بیان کریں چند نکات کی تشریح کر دینا ضروری سمجھتے ہیں۔

(۱) قرآن حکیم نے جب اعجاز کا دعویٰ کیا اور مخالفین کو مقابلہ کے لیے للکارا۔ تو یہ محض مناظرانہ تحدی نہ تھی بلکہ ایک برتر حقیقت کی طرف اشارہ تھا جس نے ادب و لسان کا حسین روپ دھار رکھا تھا۔ کارلائل نے قرآن حکیم کے اس نکتہ کو بھانپ لیا تھا۔ ان کا کہنا ہے کہ قرآن دراصل اس آوازِ حق کی بازگشت ہے جو کائنات کے ذرہ ذرہ سے سنائی دے رہی ہے[۱] یہی وجہ ہے کہ سننے والے جب اس کو سنتے تو یہ آواز انھیں جانی پہچانی معلوم ہوتی اور ایسا محسوس

۱؎ الابطال بحوالہ اعجاز القرآن لعبد الکریم ص ۱۱۶

ہوتا کہ یہ کسی اجنبی کی آواز نہیں بلکہ یہیں کہیں دل کے قرب و جوار ہی سے بلند ہو رہی ہے۔ اور اس کا اثر یہ ہوتا کہ جبینِ شوق زمین بوس ہو جاتی اور آنکھوں میں آنسو چھلکنے لگتے۔

ان الذین اوتوا العلم من قبلہ اذا یتلی علیھم یخرون للاذقان سجدا [٥٣]

جن لوگوں کو پہلے علم الکتاب سے بہرہ مند کیا گیا ہے ان کو جب قرآن پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں۔

واذا سمعوا ما انزل الی الرسول تری اعینھم تفیض من الدمع مما عرفوا من الحق یقولون ربنا اٰمنا فاکتبنا مع الشٰھدین [٥٤]

اور جب یہ اس کتاب کو جو پیغمبر اسلام پر نازل ہوئی سن پاتے ہیں تو تم دیکھتے ہو کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ اس لیے کہ انھوں نے حق بات پہچان لی۔ اور وہ عرض کرتے ہیں کہ اے پروردگار! ہم ایمان لے آئے ہم کو ماننے والوں میں لکھ لے۔

اعجاز کے اسی پہلو نے ولید ایسے مخالفِ اسلام کو متاثر کیا اور یہی وہ قرآن حکیم کی ادائے دلنواز تھی جس نے فاروق اعظم کے قلب گداز میں پذیرائی کے لطیف جذبات کو ابھار دیا۔

کہنا یہ ہے کہ اعجاز قرآن کا مسئلہ نہ تو مناظرانہ لن ترانی کا نتیجہ تھا اور نہ زمانہ مابعد کی اختراع۔ اس کا تعلق اس عظیم حقیقت کی نشاندہی کرنا تھا کہ الفاظ اور تراکیب کا وہ مجموعہ جسے عام انسان استعمال کرتے ہیں اور اس میں انھیں کسی غیر معمولی ندرت کا احساس نہیں ہوتا۔ جب زمین سے بلند ہو کر آسمان تک پہنچتا ہے اور وحی و تنزیل کا ذریعہ بنتا ہے۔ تو یہی مجموعۂ الفاظ و تراکیب اور یہی روزمرہ حسن و اعجاز کے ایسے سانچوں میں ڈھل جاتا ہے جسے دیکھ کر عقل انسانی پکار اٹھتی ہے کہ حاشا و کلا! یہ کلام کلام بشر نہیں ہو سکتا۔ اس میں ضرور ندرت، انوکھا پن اور اعجاز کا کوئی پہلو نمایاں ہے۔

انہ لقول رسول کریم [٥٥]

یہ قول تو فرشتہ عالی مقام کی زبان سے ادا ہوا ہے۔

---

٥٣ بنی اسرائیل: ١٠٧ — ٥٤ المائدہ: ٨٣ — ٥٥ التکویر: ١٩

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انه لقول فصل وما هو بالهزل[۵۶]

یہ کلام حق کو باطل سے جدا کرنے والا ہے۔ اس میں کوئی بے فائدہ بات نہیں پائی جاتی۔

(۲) اعجاز قرآن کے بارہ میں مستشرقین نے خواہ مخواہ اس بحث کو اچھالنے کی کوشش کی ہے۔ کہ زبانیں چونکہ پیرایہ بیان کے اعتبار سے ہمیشہ ترقی کناں رہی ہیں اور تاریخ کے ہر دور میں نئے مقتضیات اور عوامل کے تحت نئے نئے اسلوب اور روپ اختیار کرتی رہتی ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ فصاحت و بلاغت کے پیمانے بھی اسی تناسب سے بدلتے رہیں اور اگر صغریٰ و کبریٰ کا یہ انداز صحیح ہے تو اس کے صاف صاف معنی ہیں کہ کسی بھی زبان میں وہ آخری حد متعین نہیں کی جا سکتی۔ جسے عبور کر کے انسان اعجاز و تحیر کے نئے نمونوں کی تخلیق کر سکے۔ مستشرقین کو اس شبہ کو دراصل خود ہمارے ہاں کی ان غلط بحثوں سے شہ ملی جن میں اس مسئلہ کو جو خالص ادب و ذوق کا مسئلہ تھا، منطق و کلام کا مسئلہ بنا ڈالا گیا۔ بات بالکل سادہ تھی جسے دلوں کی ٹیڑھ اور نافہمی نے بلاضرورت الجھا دیا۔ قرآن حکیم جس اعجاز کا مدعی ہے اس کی حقیقت سوال کے اس جواب میں مضمر ہے کہ آیا قدرتی اور مصنوعی شے میں فرق و امتیاز کے کچھ جانے بوجھے اور متعین اصول ہیں یا نہیں۔ کاغذ کے پھول اور اصلی پھول میں رنگ و مہک اور شکل و صورت کا کوئی فرق پایا جاتا ہے یا نہیں۔ یا آفتاب، مہتاب اور نجوم و کواکب کی قدرتی روشنی اور اس مصنوعی روشنی میں کسی حدِ فاصل کا تعین ممکن ہے یا نہیں، جس کو سائنس اور ٹیکنالوجی کی جدتوں نے ترتیب دیا ہو۔ اگر یہ فرق حقیقی ہے اور ہر شخص کے ذہن و فکر کی گرفت میں آتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انسانی کلام اور اللہ کے کلام میں بھی فرق و امتیاز کی اس نوعیت کو واضح ہونا چاہیے۔

اور یہ نوعیت زبان کے ارتقا کے باوجود ہر دور میں اس وقت تک قائم رہے گی جب تک کہ قدرتی اور مصنوعی اشیا کے درمیان حدِ فاصل کا قیام ممکن ہے۔ یعنی ہر دور اور زمانہ میں انسان کی فکری اور لسانی ترقی کے باوجود قرآن کا ایک ایک نقطہ اور شوشہ پکار پکار کر اس حقیقت کا اعلان کرتا رہے گا کہ اس کا تعلق زمین سے نہیں آسمان سے ہے، کلامِ بشر سے نہیں، وحی جبریل

---

۵۶ الطارق : ۱۳، ۱۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے ہے اور اس کا ماخذ و سرچشمہ انسانی ذہن و فکر نہیں، لوح محفوظ اور علم الٰہی ہے۔

مستشرقین کے طرز استدلال میں اصولی خامی یہ ہے کہ یہ حضرات کلام الٰہی اور انسانی کلام میں سرے سے کوئی فرق ہی محسوس نہیں کرتے۔ لہٰذا یہ قرآن حکیم کی زبان اور اسلوب و معنی کو اسی انداز سے دیکھتے اور جانچتے ہیں جس انداز سے فلاطوں کے مکالمات، ہومر کی الیاذہ یا کالی داس کی رامائن جانچتے، دیکھتے اور پڑھتے ہیں۔ حالانکہ اس کتاب حکیم کو اس چوکھٹے اور صف میں رکھ کر دیکھنا چاہیے، جس میں تورات، زبور اور اناجیل کا شمار ہوتا ہے اور اس ذوق سے آشنائی حاصل کرنا چاہیے جو ان کتابوں کے مطالعہ سے پرورش پاتا ہے۔ پھر اس ذوق کی روشنی میں قرآن حکیم پر نظر ڈالنی چاہیے۔ اس طرح ان کتابوں میں اور قرآن میں عظمت و درجہ کا جو نمایاں فرق ہے۔ اس کو پالینے میں انھیں کسی دشواری کا سامنا کرنا نہیں پڑے گا۔

حسنِ تالیف کے بارے میں خطابی کی تصریحات

(۳) جب ہم آیاتِ قرآنی میں اعجاز کے اس پہلو سے تعرض کرتے ہیں جس کا تعلق حسن تالیف سے ہے تو اس سے مراد حسن و کمال کی وہ نوعیت ہے جو اسلوب و معنی دونوں میں یکساں دائر و سائر ہے۔ وہ نوعیت کیا ہے۔ خطابی کے الفاظ میں اس کا ہیولیٰ کچھ اس طرح کی خصوصیات سے تیار ہوتا ہے۔

"قرآن جن محاسن سے تعبیر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں صحیح اور بلند تر معانی کو نظم و ترتیب کی حسین ترین شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ اس میں اللہ کی توحید کا بیان ہے۔ اس کی صفات کا تذکرہ ہے۔ تنزیہ کی تفصیل ہے۔ حلال و حرام کی وضاحت ہے۔ حظر و اباحت کے حدود کی تعیین ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے احکام ہیں۔ محاسن اخلاق کی تلقین ہے اور قرونِ ماضیہ سے عبرت پذیری کے اصول ہیں۔ یہ سب معانی اور مضامین بجائے خود اونچے اور حسین ہیں۔ ان سب کے اظہار کے لیے قرآن حکیم نے جو اسلوب اختیار کیا اس سے زیادہ موزوں اور بہتر اسلوب اختیار نہیں کیا جا سکتا۔"[۵]

---

[۵] بیان اعجاز القرآن، ص ۲۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باقلانی کی رائے

باقلانی نے اسی حقیقت کو یوں ادا کیا ہے۔

"قرآن حکیم بدیع و بیان اور ترتیب و تالیف کے اس درجہ کمال پر فائز ہے کہ جہاں انسان کا عجز واضح ہو جاتا ہے اس میں ہر معنی کو بغیر کسی مبالغہ آرائی کے ٹھیک اس انداز میں بیان کیا گیا ہے جو اس کے لیے موزوں ہے"

اس موزونیت کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"کہ بڑے سے بڑے خطیب اور شاعر میں یہ خامی نمایاں ہے کہ وہ کسی ایک ہی مفہوم و معنی کو تو اچھی طرح ادا کر سکتا ہے لیکن ہر معنی کو نہیں۔ مثلاً بعض لوگ مدح میں خوب نکھرتے ہیں، ہجو میں نہیں۔ بعض ہجو کے مرد میدان ہیں اور مدح کے میدان میں ناکام۔ قرآن کی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے جس معنی و مفہوم کو بھی ادا کیا ہے، زبان اور اسلوب کا معیار اس میں یکساں بلند ہے[۵۸]"

جرجانی کا موقف

عبدالقادر جرجانی نے حسن تالیف کی حقیقت کو اس نظر سے دیکھا ہے۔

کفار مکہ اعجاز قرآن کے مسئلہ میں اس لیے سپر ڈال دینے پر مجبور ہوئے کہ انھوں نے جب اس کے ایک ایک لفظ پر غور کیا، ایک ایک سورہ کا جائزہ لیا اور ایک ایک آیت اور عشرہ کو دیکھا بھالا تو انھیں احساس ہوا کہ اس میں تو کوئی لفظ اور کلمہ ایسا نہیں جو اپنی جگہ نگینہ کی طرح نہ جڑا ہو، اور جس کے بارہ میں ہم کہہ سکیں کہ اگر یہ لفظ یا کلمہ یوں ہوتا تو زیادہ موزوں اور فصیح و بلیغ ہوتا۔ یہ تھا وہ احساس عجز جس نے انھیں ششدر و حیران کر دیا"

اعجاز اور حسن تالیف کی فنی خوبیوں سے قطع نظر اس کے مطالعہ و تلاوت سے بحیثیت مجموعی کیا تاثر ابھرتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کا ارشاد ہے:

"اس میں کوئی چیز ایسی نہیں جو ادنیٰ درجہ کی ہو۔ (لا یتفہ) اور نہ کوئی ایسا مقام ہی ہے جس پہ انگلی رکھی جا سکے۔ (لا یشان) ان کا کہنا ہے کہ: "میں جب سورہ حٰم کا

---

۵۸ باقلانی بحوالہ اعجاز القرآن لعبد الکریم، ج ۱، ص ۱۸۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مطالعہ کرتا ہوں تو محسوس ہوتا ہے کہ یہاں حسن و معنی کے کئی دبستاں آراستہ ہیں، جن میں گھوم پھر کر میں لطف اندوز ہو رہا ہوں [۵۹]

اس تمہید اور وضاحت کے بعد آئیے اب حسنِ تالیف کے چند نمونوں کو دیکھیں اور ذوق و ایمان کی پرورش کا اہتمام کریں۔

حسنِ تالیف اور صوت و آہنگ کی موزونیتیں - مکی اور مدنی سوروں میں اسلوب کا فرق

حسنِ تالیف کے ضمن میں کیا کیا ادبی و علمی نوادر آتے ہیں۔ اس کی چند روشن مثالیں تو ہم آگے چل کر دکھائیں گے لیکن اسے سرِدست بحیثیت مجموعی قرآن کے اندازِ بیان میں اس خصوصیت کو جان لینا ضروری ہے کہ فصاحت و بلاغت اور بدیع و بیان کے ممیزات کے علاوہ قرآن اپنی آغوش میں آہنگ اور حسنِ صوت کی ایسی موزونیت لیے ہوئے ہے جسے سن کر ہر ایک شخص ایک طرح کے روحانی طرب سے متاثر ہو کر جھوم اٹھتا ہے بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے گویا کانوں میں کوئی رس گھول رہا ہے اور یا یہ کہ کسی نے مزمارِ قلب و ذہن کے نازک اور باریک تاروں کو چھیڑ دیا ہے۔

حسنِ ترتیل اور آہنگ کے اس اعجاز کو نمایاں طور پر دیکھنا ہو تو سورہ رحمان کی تلاوت کیجیے یا ان چھوٹی چھوٹی سورتوں کا مطالعہ کیجیے جو مکہ میں نازل ہوئیں۔

مدنی سورتوں میں بھی آہنگ و صوت کی یہی موزونیت اگرچہ پوری طرح جلوہ طراز ہے تاہم اس کا اسلوب اور رنگ قدرے بدل گیا ہے۔ ان سورتوں میں یہ موزونیت ان مضامین کے تابع ہے جو اس سورت میں مذکور ہوئے ہیں۔ یعنی عقیدہ توحید کو نکھارنے اور واضح کرنے کے لیے ایک ڈھب اختیار کیا گیا ہے۔ رسالت و نبوت کے دقائق پر روشنی ڈالنے کا طریق دوسرا ہے۔ اسی طرح حشر و نشر سے متعلقہ آیات یا وہ آیات جن میں اقوام و ملل کے عروج و زوال کی داستاں بیان کی گئی ہے یا وہ جن میں خیر و شر کی گتھیوں کو سلجھایا گیا ہے ان کا نہج جداگانہ نوعیت کا حامل ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ایک ہی سورت میں مضامین کی بوقلمونی کے پیشِ نظر آیات میں صوتی مناسبت یا موزونیت کا اندازہ بھی مختلف ہے۔

---

[۵۹] دلائل الاعجاز الجرجانی، ص ۳۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا یہ موزونیت سجع کے مترادف ہے

سوال یہ ہے کہ آیا آیات کی یہ موزونیت باصوت و آہنگ کی کھنک اسی سجع کا دوسرا نام تو نہیں جو کہانت کا خاصہ ہے یا یہ اس سے الگ کسی حقیقت سے تعبیر ہے۔ سجع اور قرآن کے اسلوب میں فرق و امتیاز کی کیا خصوصیات پائی جاتی ہیں اس کو جاننے کے لیے چند نکات کا ذہن میں رہنا ضروری ہے۔

(۱) قرآن حکیم کا اسلوب بیان اگر وہی کہانت کا گھسا پٹا اسلوب ہوتا جس سے کہ عرب اچھی طرح آشنا تھے۔ یا قرآن اور کہانت میں فرق صرف درجہ و مقدار کا ہوتا، نوعیت کا نہ ہوتا تو قرآن کا یہ چیلنج کہ اس کا جواب نہ جن و انس کی طرف سے انفرادی سطح پر ممکن ہے اور نہ اجتماعی سطح پر کبھی کامیاب ثابت نہ ہوتا۔ عرب جن کو اپنے انداز اظہار پر بجا طور پر ناز تھا، ضرور اس کے مقابلہ میں نثر کا کوئی نہ کوئی شاہکار پیش کرنے کی کوشش کرتے۔ قرآن کو سن کر ان کا غیر معمولی طور پر استعجاب کا شکار ہوتا اور تحیر کا اظہار کرنا۔ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ کتاب ہدیٰ اپنے مضامین، معانی اور اسلوب کی نادرہ کاریوں کے لحاظ سے ان کی توقعات اور معیار سے کہیں بلند تھی۔ اور یہ ان کے "تحیر" و درماندگی ہی کا نتیجہ تھا کہ آخر تک یہ اس کتاب کا موقف متعین کرنے سے قاصر رہے۔ چنانچہ کبھی تو از راہ جہل و نادانی کہا کہ یہ کھلا جادو ہے۔

واذا تتلی علیھم ایاتنا بینات قال الذین کفروا للحق لما جاءھم ھذا سحر مبین ۱۰

اور جب ان کے سامنے ہماری واضح آیات پڑھی جاتی ہیں تو کافر حق کے بارے میں جب ان کے پاس آچکا، کہتے ہیں یہ تو صریح جادو ہے۔

اور کبھی فرط تاثیر سے مسحور ہو کر ان کو اس پر شعر کا گمان ہوا۔

بل ھو شاعر ۱۱

بلکہ اس کا پیش کرنے والا تو (نرا) شاعر ہے۔

(۱) سجع اور قرآن حکیم کے اسلوب بیان میں ایک نمایاں فرق، مضامین کی بوقلمونی اور تنوع

۱۰ الاحقاف : ۷ ۱۱ الانبیاء : ۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا ہے۔ سجع کے جو نمونے ادب و محاضرات کی کتابوں میں محفوظ ہیں، ان میں مضامین اور معانی کا افسوس ناک حد تک فقدان ہے۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ جن مضامین کو سجع کے قالب میں ڈھالا گیا ہے۔ وہ حد درجہ سخیف اور پیش پا افتادہ ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ تاریخ کے اوراق کے پارینہ میں بار نہیں پا سکتے۔ یعنی شعر کی طرح اگر جاہلیت کے خطبات نثریہ میں جان ہوتی، مضامین کا دائرہ وسیع و متنوع ہوتا۔ اور بحیثیت مجموعی یہ اس قابل قرار پاتے کہ زندگی کے نشیب فراز میں ان سے استفادہ کیا جا سکے۔ تو ضروری تھا کہ عربوں کے غیر معمولی حافظے میں ارتسام پذیر رہتے اور موقع بہ موقع ان کو اس کی تائید یا تردید کے سلسلہ میں یہ نقل کرتے۔

(۳) زمانۂ جاہلیت میں کاہنوں نے جس طرز نثری کو رواج دیا۔ اس میں سجع کے معنی صرف مترادفات کے بے تکے استعمال کے نظر آتے ہیں جن میں معنی و مضامین کے فقدان کے ساتھ بے حد تکلف و آورد سے کام لیا گیا ہے۔

بعض آیات آپ سے آپ شعر کے قالب میں ڈھل گئی ہیں

بخلاف قرآن حکیم کی آیات کے اس میں مشمولات کی گہرائی اور تنوع کے پہلو بہ پہلو صوت آہنگ اور ترتیل و نغمگی کی جو مناسبتیں پائی جاتی ہیں۔ وہ ایسی ہیں کہ معنی و لفظ کے الہامی اور غیر معمولی تناسب کی بدولت خود بخود اُبھر آتی ہیں۔ اور آپ سے آپ نغمہ و آہنگ کے سانچوں میں کچھ اس طرح ڈھل گئی ہیں کہ شعر نہ ہونے پر بھی ان پر اچھے خاصے شعر کا گمان ہوتا ہے۔

لطف یہ ہے کہ ترتیل و حُسنِ صوت کی ان مناسبتوں نے جو بالعموم پورے قرآن میں موجود اور دائر و سائر ہیں۔ شعر نہ ہونے پر بھی کہیں تو باقاعدہ مصرعے کی اور کہیں مکمل شعر کی صورت اختیار کر لی ہے، اس دعویٰ کے ثبوت میں خصوصیت سے ان آیات پر غور کیجیے اور دیکھیے کہ نثر کے ان نمونوں میں وزن و بحر کی خصوصیات کیونکر صاف جھلک رہی ہیں۔

ھیہات ھیہات لما توعدون[۱۲]

شعر وقلت لما حاولوا سلوتی ھیہات ھیہات لما توعدون

---

[۱۲] المومنون : ۳۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وذللت قطوفها تذلیلا [13]

ابونواس کی تضمین:

وفتنیۃ فی مجلس وجوہہم ریحانہم، قد عدموا التثقیلا

دانیۃ علیہم ظلالہا وذللت قطوفہا تذلیلا

ویخزہم وینصرکم علیہم ویشف صدور قوم مومنین [14]

(اس کا تعلق بحر وافر سے ہے)

ارایت الذی یکذب بالدین ۰ فذلک الذی یدع الیتیم [15]

(بحر خفیف میں ہے)

ابونواس نے اس کی تضمین یوں کی ہے:

وقرأ معلنا لیصدع قلبی والهوی یصدع القلب السلیما

أرأیت الذی یکذب بالدین فذلکم الذی یدع الیتیما

والعدیت ضبحا ۰ فالموریت قدحا [16]

والذریت ذروا ۰ فالحاملات وقرا ۰ فالجاریات یسرا [17]

ان کا تعلق بحر بسیط سے ہے۔

کچھ اور مثالیں ملاحظہ ہوں:

ومن اللیل فسبحہ وادبار السجود [18]

لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون [19]

تبت یدا ابی لہب [20]

---

[13] الدھر: ۱۴ — [14] التوبہ: ۱۴

[15] الماعون: ۲ — [16] العادیات: ۱، ۲

[17] الذاریات: ۱، ۳ — [18] ق: ۱۹

[19] آل عمران: ۹۲ — [20] تبت یدا: ۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نصرٌ من اللہ و فتح قریب ۵[۱۲]

حسنِ تالیف کے ضمن میں صوت و آہنگ کی یہ بحث جملہ معترضہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ اصل سوال یہ ہے کہ وہ کون نکات و دقائق ہیں جو خصوصیت سے آیاتِ قرآنی میں پائے جاتے ہیں۔ آیاتِ قرآنی میں حسن تالیف کے تمام مضمرات و نوادر کا استعیاب آسان کام نہیں۔ یہ موضوع بجائے خود مستقل التفات و توجہ چاہتا ہے۔ لہٰذا ہم یہاں صرف اشارات ہی پر اکتفا کر سکتے ہیں، تفصیلات بیان کرنا ہمارے دائرۂ اختیارات سے باہر کی چیز ہے۔

حسنِ تالیف اور اقتضائے حال کی چند جھلکیاں

حسنِ تالیف یا فصاحت و بلاغت کا اہم اصول یہ ہے کہ کلام اقتضائے حال کے عین مطابق ہو۔ یعنی جو کچھ بھی کہنا ہو، اور مفہوم و معنی کی جس بھی نوعیت کا اظہار مقصود ہو۔ الفاظ کے انتخاب اور ان کی ترتیب و ساخت سے اس کا واضح ثبوت فراہم ہوتا ہو۔ قرآن حکیم میں اس صنعت کی چند جھلکیاں ملاحظہ ہوں۔

انسان کی اخروی زندگی کے بارہ میں قرآن حکیم کا واضح تصوّر یہ ہے کہ یہاں وہ لوگ بہترین اجر و ثواب سے بہرہ ور کیے جائیں گے جنھوں نے دنیا میں ایمان و عمل کے تقاضوں کا ساتھ دیا۔ اللہ تعالیٰ کو مانا۔ اس کے رسولوں کو تسلیم کیا، اور ان دینی و اخلاقی قدروں کی پیروی کی جن کی انھیں، ان کے رسولوں اور کتابوں کے ذریعے تلقین کی گئی، اور وہ سخت سزا کے مستحق ٹھہریں گے، جنھوں نے قدم قدم پر کفر و انکار کا اظہار کیا، اور اپنی روش اور عمل سے اللہ کے پیغام و دعوت کو جھٹلایا۔

ظاہر ہے جب دونوں کے طرزِ عمل میں بین اختلاف رونما ہو گا تو ان کے صلہ اور جزا میں بھی یہ فرق نمایاں ہونا چاہیے۔ قرآن حکیم نے ان دونوں گروہوں کا ذکر کیا ہے اور دونوں کے فکر و اسلوب کے منطقی نتائج کی نشان دہی کی ہے۔ جزا اور اس کی ہولناکیوں کی بھی اور صلہ و انعام

---

[۱۲] الصف : ۱۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اس کے لطائف کی بھی۔ لیکن اس معجزانہ انداز سے کہ جو آیات خوش خبری اور حسنِ انعام پر دلالت کناں ہیں، ان کے ایک ایک لفظ سے، نرمی، عذوبت اور بشاشت ٹپک رہی ہے اور جن آیات میں سزا اور اس کی اذیتوں کا ذکر ہے ان کا ایک ایک لفظ ہیبت، خشونت اور قہر و جلال کے انگارے برسا رہا ہے۔ ایک ہی سورۃ میں اختلافِ معنی کا یہ انداز، اسلوب و اظہار کے دو مختلف نہج کیونکر اختیار کر لیتا ہے۔ اس کی مثال سورۃ الحاقہ کے ان دو مقامات میں دیکھیے جن میں ان دونوں گروہوں کے حال و انجام کا تذکرہ کیا گیا ہے:

فاما من اوتی کتٰبہ بیمینہ فیقول ھاؤم اقرؤا کتابیہ ۝ انی ظننت انی مُلٰقٍ حسابیہ ۝ فھو فی عیشۃ راضیۃ ۝ فی جنۃ عالیۃ ۝ قطوفھا دانیۃ ۝ کلوا واشربوا ھنیئا بما اسلفتم فی الایام الخالیۃ ۝

واما من اوتی کتٰبہ بشمالہ فیقول یٰلیتنی لم اُوتَ کتٰبیہ ۝ ولم ادر ما حسابیہ ۝ یٰلیتھا کانتِ القاضیۃ .... خذوہ فغلوہ ۝ ثم الجحیم صلوہ ۝ ثم فی سلسلۃٍ ذرعُھا سبعون ذراعا فاسلکوہ ۝ [۵۳]

تو جس کا اعمال نامہ اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا وہ دوسروں سے کہے گا کہ لیجیے میرا اعمال نامہ پڑھیے مجھے یقین تھا کہ مجھ کو میرا حساب کتاب ضرور ملے گا۔ پس وہ شخص من مانے عیش میں ہوگا (یعنی اونچے محلوں نے) اونچے باغ میں جس کے میوے جھکے ہوں گے۔

جو عمل تم ایام گزشتہ میں آگے بھیج چکے ہو اس کے صلے میں مزے سے کھاؤ پیو۔ اور جس کا نامۂ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا اے کاش! مجھ کو میرا اعمال نامہ نہ دیا جاتا اور مجھے معلوم نہ ہوتا کہ میرا حساب کیا ہے۔ اے کاش! موت میرا کام تمام کر چکی ہوتی ...... حکم ہوگا اس کو پکڑ لو اور طوق پہنا دو، پھر دوزخ کی آگ میں جھونک دو، پھر زنجیر جس کی ناپ ستر گز ہے جکڑ دو۔

ان آیات میں آیات کے تیور کس درجہ مختلف ہیں۔ ایک طرف فی عیشۃ راضیۃ، فی جنۃ عالیۃ اور قطوفھا دانیۃ میں صلحا اور نیک لوگوں کے لیے لطف و اکرام کا پہلو اگر الفاظ کے

---

۵۳ ۱۹ : ۳۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیمانوں سے چھلک رہا ہے تو دوسری طرف منکرین اور بدکردار لوگوں کے لیے خذوہ فغلوہ میں زجر و توبیخ کا معنیٰ آیت کے آہنگ و صوت ہی سے ظاہر و عیاں ہے۔

قرآن حکیم کی آیات میں اس صنعت کی رعایت اس وقت انتہائی عروج پر نظر آتی ہے جب الفاظ اور ان کی ترتیب و ساخت کے مفہوم و معنی کا نہ صرف بے اختیار اظہار ہوتا ہو، بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہو کہ خود آیت کی ہیئت ترکیبی بول رہی ہے اور الفاظ کے زیر و بم ہی نے مفہوم و معنی کی مکمل تصویر کھینچ دی ہے۔

سورۃ نور میں اللہ تعالیٰ اس حقیقت کی پردہ کشائی کرنا چاہتا ہے کہ اسلام اور ایمان ایک طرح کے نور، روشنی اور قلب و ذہن کی جلا و تابش سے تعبیر ہے۔ بخلاف کفر کے کہ یہ سراسر تاریکی ظلمت اور اندھیرا ہے۔ اندھیرا بھی ایسا دبیز اور ہولناک کہ جس میں اپنا ہی ہاتھ سجھائی نہ دے۔ اس مفہوم کے اظہار کے لیے قرآن حکیم نے تشبیہ مرکب کا جو فصیح و بلیغ نہج اختیار کیا، وہ صوت و آہنگ کے اعتبار سے کس درجہ موزوں اور کامیاب ہے اس کا اندازہ اس آیت کو صرف پڑھ کر، یا کسی قاری سے سن کر ہی لگایا جا سکتا ہے۔

انتخاب حدیث

مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی

یہ کتاب ان منتخب احادیث کا مجموعہ ہے جو زندگی کی اعلیٰ قدروں سے تعلق رکھتی ہیں اور جن سے فقہ کی تشکیلِ جدید میں بہت مدد مل سکتی ہے۔ ہر حدیث کی الگ سرخی قائم کی گئی ہے اور اس کا سلیس ترجمہ بھی درج ہے۔ یہ مجموعہ حدیث کی چودہ کتابوں کا خلاصہ ہے اور بے مثل انتخاب ہے۔

قیمت : ۳۵ روپے

ملنے کا پتہ

ادارۂ ثقافت اسلامیہ۔ کلب روڈ، لاہور

© rasailojaraid.com